سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۷۸

مجسمۂ انسانیت

از افادات

سرکار سید العلماء الحاج علامہ سید علی نقی النقوی مدظلہ العالی

مجتہد العصر

قیمت ۲ آنے

۲

امامیہ مشن پاکستان

کا ۰۸۷ واں گراں قدر کتابچہ "محسنۂ انسانیت" آپ کے زیرِ نظر ہے جسے امسال امامیہ مشن لکھنؤ نے اپنے سلسلۂ اشاعت کے نمبر ۲۷۵ کے تحت شائع کیا ہے اور اب ہم اسکی افادیت کے پیش نظر شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

سرکار سید العلماء الحاج علامہ سید علی نقی النقوی صاحب مجتہد العصر مدظلہ العالی کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ امامیہ مشن پاکستان کی زیادہ تر مطبوعات سرکار علامہ ہی کی بے لوث قلمی معاونت کا نتیجہ ہیں۔ یقیناً اس قلمی جہاد کا اجر آپ کو مرکزِ احدیت سے ملے گا۔

اس کتابچہ میں آپ نے حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کو ایسا محسنۂ انسانیت ثابت کیا ہے جس کی مثال تاریخ دنیا میں ملنا ناممکن ہے۔ کون حسینؑ! جو خلقِ عظیم رحمۃ اللعالمین حضرت رسولِ خداؐ کا لعابِ دہن چوس چوس کر جوان ہوا جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے زیرِ تربیت پروان چڑھا۔ جو حضرت خاتونِ جنتؑ کی آغوشِ مقدس کا پروردہ ہے۔ بھلا پھر حسینؑ محسنۂ انسانیت نہ ہونگے تو اور کون ہوگا؟ انتصار کے باوجود نہایت اچھی پیشکش ہے۔ آپ پڑھ کر یقیناً پسند فرمائیں گے۔

یقین ہے کہ افرادِ ملت اس رسالہ کو بھی کثیر سے کثیر تعداد میں مفت تقسیم فرما کر عند اللہ و عند الرسول ماجور ہوں گے۔

جولائی سنہ ۱۹۵۹ء

جنرل سیکرٹری
امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین

وہ خصوصیات جو کسی انسان کو بلند نقطۂ انسانیت پر پہونچانے کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ ایک خصوصیات داخلی دوسرے خصوصیات خارجی۔

داخلی خصوصیات میں انسان کا حسب نسب کسی خاص خاندان سے تعلق رکھنا۔ خاص آباء اجداد کی نسل سے ہونا جو مخصوص صفات و روایات کے حامل ہوں۔ یہ ایک انسان کے کمال کا باعث ہیں۔

جانے دیجئے اس اصول کو جسے بہت سے لوگ آج تسلیم کر رہے ہیں۔ اور وہ " توارث صفات " ہے۔ یعنی نفسانی صفات بھی بطور وراثت، اولاد کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ اور اس کا تجربہ انسان تو انسان حیوانوں تک میں ہوا ہے۔ چنانچہ ادنیٰ قسم کے حیوان کو اعلیٰ قسم کی طرف منتقل کرنے کا ذریعہ یہ ہے۔ کہ اس نسل کے تعلقات ازدواجی میں ترقی کا لحاظ رکھا جائے۔ اگر برابر اچھی نسل کے افراد اس سلسلہ میں آتے رہیں۔ تو رفتہ رفتہ اس کے نقائص دور ہو کر وہ نسل اعلیٰ قسم کی ہو جائے گی۔

انسان بھی طبعی خصوصیات کے لحاظ سے جب اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ تو کیوں نہ اس میں بھی یہ اصول درست ہو پھر یہ کہ اخلاق و اوصاف نفسانی بھی اکثر تابع مزاج ہوتے ہیں۔ اور یہ طب میں بھی ثابت ہے کہ مزاجی خصوصیات اولاد کی جانب منتقل ہوتے ہیں۔ خیر جانے دیجئے اس کو، پھر بھی یہ ہے کہ انسان کو لاج ہوتی ہے۔ اپنے باپ دادا کے طرز طریقہ اصول اور مسلک کی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر وہ غلط باتوں کو چھوڑنے پہ تیار نہیں ہوتا صرف اس دلیل سے کہ ہمارے باپ دادا ان کے پابند تھے۔ پھر اگر آباء واجداد اچھی صفتوں کے حامل ہوں۔ تو اولاد کو ان صفتوں کے ساتھ الفت ضرور ہونا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ کہ ایک انسان کا کسی کامل خاندان اور بلند انسانی طبقہ میں پیدا ہونا اس کی بلندی کا ایک مستقل باعث اور سبب ہے۔

خارجی خصوصیات کو ہم تین قسموں میں درج کر سکتے ہیں۔

(۱) تعلیم و تربیت کیونکہ ایک پست طبقہ کا آدمی بھی اگر اچھی تعلیم و تربیت پا جاتے تو لبا اوقات وہ بلند ہو جاتا ہے۔

(۲) ماحول۔ تعلیم و تربیت تو زیادہ تر انسان کی زندگی کے ابتدائی دور سے متعلق ہے۔ لیکن ماحول ایسی چیز ہے۔ جو ابتدائے عمر سے آخر تک ایک انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ اور اس کی زندگی کے ہر حصہ میں اثر انداز ہوتا ہے

(۳) وہ واقعات و تجربات اور مشاہدات جنہیں انسان نے دیکھا جن کا اسے سابقہ پڑا ہے۔ اور زندگی کے مختلف دوروں میں اسے جن سے گزرنا پڑا ہے۔ اس حیثیت سے انسان کا کمال اس وقت

زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان کو متضاد حالات کا مقابلہ کرنا پڑا ہو۔ اور اس وقت اسے متضاد طرز عمل اختیار کرنا پڑے ہوں۔ کیونکہ انسانی جذبات ہمیشہ یک طرفہ ہوتے ہیں۔ اگر ایک شخص غصہ در ہے تو اسے ہمیشہ غصہ کی بات پر غصہ آجائے گا۔ اور غصہ میں وہ کچھ نہ کچھ کر گزرے گا۔ ممکن ہے کہ اس کا نتیجہ بعض وقت بہت قابل تعریف ہو۔ مثلاً کوئی مظلوم اسے مدد کے لئے پکارے۔ اور ظالم کی زیادتی کو دیکھ کر اس شخص کو غصہ آجائے۔ اس وقت اس کے ہاتھوں مظلوم کی مدد ہو گئی۔ مگر بہت ممکن ہے۔ کہ بعض اوقات اس کا غصہ خراب نتائج بھی پیدا کرے۔ اور اس کے ہاتھوں فتنہ و فساد پیدا ہو اور امن عالم کو صدمہ پہنچے۔ یہ شخص خود ہلاک ہو اور دوسرے کے ہلاک کرنے کا باعث ہو۔ یہ صرف اس لئے کہ اس کے اقدامات سب غصہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کے نتائج میں دورنگی نہیں پیدا ہوسکتی اب دیکھئے ایک دوسرا شخص ہے۔ جو فطرتاً حلیم اور متحمل واقع ہوا ہے اس کا طرزِ عمل اکثر اوقات قابل تعریف ہوتا ہے۔ ایک ایسے موقع پر جب کسی دوسرے کو غصہ آجائے یہ خاموشی اختیار کرتا ہے۔ اور اس کی خاموشی سے ایک بڑا فتنہ فرد ہو جاتا ہے۔ کیا کہنا اس کی اس بر محل خاموشی کا مگر یاد رکھیے کہ یہ خاموشی کبھی جرم بن جائے گی۔ اس وقت جب اس خاموشی سے ظالم کی ہمت افزائی ہو رہی ہو اور مظلوموں کا گلا کٹ رہا ہو۔ یہ انسان اپنی خاموشی سے اس وقت تعریف کے بجائے مذمتوں کا مستحق ہوگا۔ یہ نتیجہ ہے اس کا کہ اس کی خاموشی طبیعت کی کمزوری اور سردی کا نتیجہ تھی۔ اس لئے وہ ہر حال میں یکساں رہے گی لہذا اس

میں تبدیلی پیدا نہ ہوگی

انسانیت کا کمال مضمر ہے۔ تضاد اور نیرنگی میں وہی انسان جو غصہ کے موقع پر بڑا ہی غصہ ور معلوم ہوتا ہے۔ خاموشی کے محل پہ اس طرح خاموش ہو جاسکے۔ گویا اس میں غصہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ یہ ہوگا انسان کامل۔

تمام جرائم کا سرچشمہ جذبات نفس ہیں۔ اور جذبات، میلانات طبعی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جو یک طرفہ ہی ہوں گے۔ مگر انسانیت نام ہے جذبات کی مخالفت کا وہاں جذبات قوت عاقلہ کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ کبھی عمل بظاہر نفس کے مطابق ہو۔ مگر وہ صرف اس لیے کہ عقل کا فیصلہ بھی اسی کے موافق ہے اور اگر محل و موقع کا تقاضا اس کے خلاف ہو تو عمل بدلا ہوا اور طریق عمل مختلف نظر آتے۔ اس کا نام ہوگا فرض شناسی۔ اور یہی ہوگا۔ جوہر انسانیت اور اس جوہر میں جلا پیدا ہوتی ہے۔ یا اس کی صلاحیتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ان ہی مواقع سے جو کسی انسان کو متضاد شکل میں درپیش ہوں۔ اور پھر متضاد طریقے اسے اختیار کرنا پڑیں۔

اس صورت میں اس کے حکیمانہ تدبر کی رفعت اس کے طبعی رجحانات، اور نفسانی جذبات پر پورے طور سے ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ پتہ دیتی ہے اس کا کہ وہ کمال انسانیت کے نقطہ پر کس درجہ تک فائز ہے۔

میں دیکھتا ہوں تو کربلا کا انسان حسینؑ بن علیؑ ان تمام خصوصیات میں بڑے بلند نقطہ پر نظر آتا ہے۔

پہلا سبب کیا تھا! خاندانی خصوصیات۔ حسینؑ کے خاندانی خصوصیات

کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم خلیلؑ خدا سے یہ ہستی بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ یہود، النصاریٰ اور مسلمان سب ان کو تسلیم کرتے ہیں اور اسلام کے مورث اعلیٰ بھی حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ ان کے دو بیٹے تھے اسحٰقؑ اور اسمٰعیلؑ اولادِ اسمٰعیلؑ کو حرم خدا کی قربت کی وجہ سے عرب میں امتیازی خصوصیت اور مرکزیت حاصل ہوئی، اولاد اسمٰعیلؑ میں نضر بن کنانہ کی اولاد قریش کے نام سے موسوم ہوئی۔ قریش کا امتیاز تمام قبائل عرب میں تسلیم کرلیا گیا اور پھر قریش میں ہاشم کو خصوصیت خاص حاصل ہوئی۔ بنی ہاشم تمام قریش میں دینی اور دنیوی اعتبار سے مخصوص اہمیت کے مالک تسلیم کیے گئے۔ عبدالمطلب کو سید البطحا کا لقب دے کر گویا تمام اہل حجاز نے ان کی سرداری اور بلندی تسلیم کرلی۔ اور ان کے بعد ان کی اولاد میں یہ لقب برقرار رہا۔ یہ سیادت نہ صرف امورِ دنیوی میں تھی بلکہ جو مقدس شعائر تھے۔ ان کی حفاظت و حمایت اور ذمہ داری کے تمام فرائض اولادِ ہاشم سے متعلق رہے۔ اور اس کے ساتھ دینِ خدا، حرم خدا، اور شعائر الٰہیہ پر جو کوئی مصیبت پڑی۔ تو سخت وقت میں یہی خاندان کام آیا۔ عبدالمطلب کے دو فرزند تھے۔ عبداللہؑ اور ابوطالبؑ مگر عبداللہؑ کا انتقال عبدالمطلب کی زندگی میں ہوگیا، اس لیے جتنی ذمہ داریاں عبدالمطلبؑ کے متعلق تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ابوطالبؑ کی طرف منتقل ہوئیں۔ اب ابوطالبؑ تبرکاتِ ابراہیمؑ کے حامل بھی تھے متروکاتِ اسمٰعیلؑ کے وارث بھی۔ حرم کے متولی اور محافظ بھی تھے اور اُس ملتِ ابراہیمیہ کے دریشہ دار بھی جس کا نام تھا اسلام اور جس کا سنگِ بنیاد خلیلؑ نے رکھا تھا عبداللہؑ کے فرزند تھے حضرت محمد مصطفےٰؐ جو اسلام کے پیغمبر ہیں۔ اور آپ بھی

ابتدائے عمر سے ابوطالبؑ کی پرورش میں رہے۔ کیونکہ آپ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ ابوطالبؑ نے اس ذمہ داری کو جس طرح پورا کیا ہے وہ دنیا کی تاریخ میں ایک یادگار چیز ہے۔ انہوں نے اپنی اولاد کو رسولؐ اسلام پر جاں نثاری کا سبق دیا۔ اس وقت جب شعب ابی طالب میں محصور تھے تو اس خوف سے کہ کہیں شب کو رسولؐ قتل نہ کر دیے جائیں۔ ابوطالبؑ آپ کی جگہ پر اپنے بیٹوں میں سے ایک ایک کو باری باری سلا دیتے تھے اور اس طرح گویا سکھاتے تھے کہ رسولؐ پر کوئی وقت پڑے تو یوں جان فدا کر دینا۔

قدرت نے اس عبداللہؑ کے یتیم اور ابوطالبؑ کے پروردہ کو یہ عزت دی کہ اس کو اپنے دین کا حامل بنایا۔ اسلام کا کلمہ ان کی زبان سے پہنچایا۔ اس پر دنیا ان کی دشمن ہو گئی۔ مگر رسولؐ نے اس سلسلہ میں ہر مصیبت کو برداشت کیا۔ اور اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سب آپ کے مخالف ہو گئے اور قتل پر متفق ہو گئے۔ ابوطالبؑ بھی مر چکے تھے۔ جو آپ کے محافظ تھے مجبوراً آپ کو رات کے وقت مکہ سے جدا ہونا پڑا۔ اس موقع پر ابوطالبؑ کے فرزند علیؑ ہی کی ذات تھی۔ جسے آپ نے دشمنوں کی تلواروں کے حلقہ میں اپنے بستر پر لٹا دیا تھا۔ کہ جاں نثاری آپ بچپن میں باپ کے کہنے سے کر چکے تھے اور اسے آپ نے اس یقینی خطرہ کے موقع پر عمل کر کے دکھلا دیا۔ کہنے دیجیے کہ علیؑ نے اس خطرہ میں اپنے تئیں ڈال کر اپنے کو فدیہ اسلام بنا دیا۔ یہ اور بات ہے کہ خدا نے حفاظت کی اور علیؑ کی جان سالم رہی۔

رسول اللہ کو خدا نے ایک بیٹی دی تھی۔ جس کا نام تھا۔ فاطمہ زہراؑ

رسولؐ نے اپنی ہجرت کے بعد ہی اس اپنی بیٹی کا عقد علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ کر دیا ان ہی سے دو فرزند ہوئے ایک کا نام تھا۔ حسنؑ اور دوسرے کا نام تھا۔ حسینؑ اب کیا تم اندازہ کر سکتے ہو کہ حسینؑ کی نگاہ میں اپنے آباد اجداد کے کتنے روایات تھے۔ اور وہ کون سا سلسلۂ عزت و شرافت سلسلۂ صدق و حقانیت سلسلہ ایمان و روحانیت تھا۔ جس کی اس وقت آخری کڑی یہ حسینؑ تھے۔ کیا نسبی معیار کے لحاظ سے اس سے زیادہ بلندی کی انسانی کمال کے لئے توقع کی جا سکتی ہے؟

دوسرا سبب

تعلیم و تربیت۔ حسینؑ کی تربیت۔ رسولؐ نے کی جو دنیا کے لیے معلم اخلاق تھے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ آپ پر سب سے پہلا فرض اپنی اولاد کی تربیت کا عائد ہوتا تھا۔ حسینؑ نے خلق عظیم کی آنکھیں دیکھیں اخلق عظیم کی گود میں رہے، خلق عظیم کے ہاتھوں پر پلے۔

رسولؐ اپنی اولاد کو اُس اسلام کی حفاظت کا ذمہ دار بنا رہے تھے۔ کہ جس کی وہ تعلیم و تلقین میں مصروف تھے۔ اس لئے ان کی تربیت کا خاص پہلو یہ تھا۔ کہ وہ بچوں کو اسلام کے متعلق ان کی ذمہ داری کا احساس پیدا کراتے رہیں۔ اس کے لئے بھی اقوال تھے اور افعال بھی تھے۔ اقوال میں ان کو قرآن کا ہمراہی قرار دینا۔ یہ بتانا کہ یہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ اور اعمال میں اس موقع پر کہ جب نصاریٰ کے ساتھ مباہلہ ہو رہا تھا ان کو اپنے ساتھ لے جانا۔ یہ سمجھنا۔ بالکل غلط ہے۔ کہ رسول کی دعا آمین کی

محتاج تھی ۔ مگر ایک طرف تو آپ دنیا کو بتلا رہے تھے ۔ کہ دیکھو اگر حق و باطل کا مقابلہ ہو تو خالص حق کے مجسمے یہ ہیں ۔ دوسری طرف ان کو احساس پیدا کرا رہے تھے ۔ کہ دیکھو اگر اسلام پر کوئی دقت پڑے تو مجھے تم ہی سے امید ہے ۔ اس وقت میں موجود ہوں میں خود تمہیں لے جا رہا ہوں اور کسی وقت میں موجود نہ ہوں گا ۔ تو تم خود اٹھ کھڑے ہونا ۔ حسینؑ کے گوشت اور خون کو اپنا گوشت اور خون کہا تھا ۔ اس کے بھی یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ اے حسینؑ اگر اسلام پر کوئی دقت پڑے ۔ تو اس گوشت کو اپنا گوشت اور اس خون کا اپنا خون نہ سمجھنا اسے میرے اسلام پر قربان کر دینا ۔

یہ تھی وہ تربیت جو حسینؑ کو حاصل ہوئی تھی

تیسرا سبب

ماحول ۔ کیا پوچھنا حسینؑ کے ماحول کا ۔ وحی کی صدا قرآن کی آواز رسولؐ کے جہاد اور علیؑ کے مجاہدانہ کارنامے ۔

یہ ہے بچپنا ۔ جوانی میں باپ کو خانہ نشین ضرور دیکھا ۔ مگر یہ برابر نظر آیا ۔ کہ جب اسلام کے لئے کوئی سخت موقع ہوا کوئی اہم مسئلہ در پیش ہوا کوئی اہم مشورہ طلب کیا گیا فوراً اسلام کے مفاد کے لیے فائدہ پہنچانے کو تیار ہو گئے ۔ ذاتی اغراض ۔ خواہش نام و نمود زمانے کی بے اتفاقی کا کبھی اس معاملہ میں خیال نہ کیا ۔ ہاتھ میں تلوار بازوؤں میں طاقت ہوتے ہوئے کبھی شمشیر آزمائی کا ارادہ نہ کیا ۔ حقوق تلف ہوتے دیکھے ۔ خاموشی اختیار کی اس لیے کہ اسلام کو نقصان نہ پہنچے ۔ جب مسلمانوں نے خود سے آ کر

اقتدار کی پیشکش کی اور آپ کو اسے ماننا پڑا تو دیکھا کہ حقانیت کی حفاظت کے لئے اور حمایت باطل سے علیحدہ رہنے کے لئے اور اسلام کے آئین و اصول کو برقرار رکھنے کے لئے علیؑ نے حاکمِ شام کے ساتھ ذرا بھی چشم پوشی رواداری اور سہل انگاری کو جائز نہیں سمجھا۔ ہزاروں مصیبتیں برداشت کیں مگر ایک منٹ کے لئے اس کو گوارا نہ کیا۔ کہ آپ معاویہ کی حکومت کو ملک شام پر منظور کرلیں۔ غرض یہ ماحول تھا۔ جس میں حسینؑ نے زندگی کے دن گزارے ہمیشہ یہی رہا۔ کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر بات میں اسلام کا مفاد سامنے رکھو حق اپنا ضائع ہو کچھ نہ بولو۔ اسلام کی خاطر۔ دنیا کنارہ کشی کرلے۔ اور دوسرے بیجا اقتدار قائم کرلیں۔ خاموش رہو۔ اسلام کی خاطر راحت و آرام میں خلل پڑے۔ شورشوں کا مقابلہ کرنا پڑے۔ دشمن کی جارحانہ کاروائیوں سے تصادم کرنا پڑے۔ مگر یہ سب اختیار کرلو۔ اسلام کی خاطر اس ماحول کا قطعی نتیجہ یہ تھا کہ جان بھی جا رہی ہو اولاد بھی کام آ رہی ہو۔ مال و اسباب بھی لٹ رہا ہو۔ تو اس سب کو گوارا کرلو اسلام کی خاطر۔

چوتھا سبب

واقعات و تجربات اور متضاد حالات میں متضاد طرز عمل اختیار کرنے کے مواقع۔

اس حیثیت سے حسینؑ کو جتنے مختلف ادوار سے گزرنا پڑا کم انسانوں کو گزرنا پڑا ہوگا۔

سات برس کی عمر حسینؑ نے اپنے نانا رسول اللہؐ کی زندگی میں گزاری

یہ بچپنا تھا۔ جو بچپنے ہی کے لائق راحت آرام دلجوئی اور خاطر داری میں گزرا اس کے بعد آیا علیؑ بن ابی طالب کا زمانہ حسینؑ نے دیکھا۔ سمجھا اور محسوس کیا کہ زمانہ بدل گیا۔ ڈیوڑھی کی رونق سناٹے سے تبدیل ہو گئی جو ہر وقت کے آنے جانے والے لوگ تھے۔ اب دور دور تک نظر نہیں آتے یہ بھی سنا کہ میرے باپ جس حق کو اپنا سمجھتے ہیں۔ اس حق پر دوسروں کا قبضہ ہے۔ اس موقع پر بچوں اور نواجوانوں کے جذبات عجیب تلاطم خیز ہوتے ہیں۔ پھر حسینؑ اسی زمانہ میں بھرپور جوان ہوئے۔ اور بتیس برس کی عمر تک پہنچے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ زمانہ صبر وسکون عافیت اندیشی اور انجام بینی کا ہوتا ہے۔ اور کیا انسانی جوش و ولولہ اس موقع پر مصالح کی بندش آسانی سے گوارا کرتا ہے۔ مگر حسینؑ کو باپ کے اختیار کردہ مسلک کی پابندی لازم تھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس زمانہ میں کوئی فعل انہوں نے نظم و ضبط کے خلاف کیا ہو۔

بلکہ اس وقت جب تیسرے دور میں خلیفۂ وقت محصور تھے۔ اور حملہ آوروں نے پانی بند کر دیا تھا تو حسنؑ اور حسینؑ کو علیؑ بن ابی طالب نے پانی پہنچانے پر مامور کیا تھا۔ اور کہہ دیا تھا۔ اور اگر اس سلسلہ میں جنگ بھی کرنا پڑے۔ تو کر لینا۔ باپ کے حکم کی اطاعت تھی۔ کہ حسینؑ پانی لے کر گئے۔ اور پوری قوت سے کام لے کر پانی پہنچا دیا۔ کیا عام طبعی جذبات و رجحانات کا بھی تقاضا یہی ہوتا ہے؟

تیسرا دور وہ آیا۔ جب حضرت علی بن ابی طالبؑ سریر خلافت پر متمکن ہوئے اب بغاوتیں برپا ہو گئیں۔ اور علی بن ابی طالبؑ کو جنگ کرنا پڑی۔ اس سلسلہ میں جنگ جمل ہوئی اور صفین اور نہروان اس وقت حسینؑ میدان جنگ میں

تلوار لے کر اپنے باپ کی حمایت میں معروف جہاد ہو گئے۔

حسینؑ کی عمر پینتیس چھتیس برس کی ہے۔ اور بے شک اس عمر کا دلولہ جہاد کا متقاضی ہے۔ مگر صفین میں قرآن نیزوں پہ بلند ہوتے ہیں۔ علوی فوج میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اور علیؑ ابن ابی طالبؑ موقع شناسی کی بنا پہ التوائے جنگ کا حکم دیتے ہیں۔ لیجئے حسینؑ کی تلوار بھی نیام میں چلی جاتی ہے۔ کیا جوانی کی عمر کا جوش آسانی سے ترک جنگ پہ آمادہ ہونے دے سکتا ہے۔ ایک ایسے موقع پر جب کہ فتح بالکل سامنے تھی۔ اور مالک اشتر کی بہادری کا جذبہ بے چینی کے ساتھ کروٹیں بدل رہا تھا۔ مگر یہاں جذبات سے تو کام نہ تھا۔ فرض کا احساس حسینؑ کے سر کو جھکا دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ اب تلوار میں باڑ ہی نہیں یہاں تک کہ التوائے جنگ کے معاہدہ پر حسنؑ اور حسینؑ دونوں بطور گواہ دستخط کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد امیر المومنینؑ شہید ہوتے ہیں۔ امام حسنؑ جانشین ہوتے۔ اور اپنے باپ کے دشمن معاویہ سے جنگ کو تیار ہوتے۔ حسینؑ بھی بھائی کے ساتھ جہاد پہ مستعد ہیں۔ حالات ایسا پلٹا کھاتے ہیں کہ امام حسنؑ کو معاویہ کے ساتھ صلح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یاد رکھئے کہ یہ موقع دوسرا ہے۔ باپ کا سا تفوق بھائی کو عام انسانوں کی نگاہ میں حاصل نہیں مگر حسینؑ تو اپنے بھائی کو پیشوا تسلیم کیے ہوئے تھے۔ حسینؑ اسی راستہ پر ہیں جو حسنؑ کا راستہ ہے حالانکہ ساتھیوں میں شورش ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح حسینؑ جنگ پر تیار ہو جائیں۔ مگر وہ فرض شناس انسان کہتا ہے۔ کہ ہم نے صلح کر لی اور ہم اس کے پابند ہیں۔ دس برس حسنؑ کی زندگی میں گذارے جاتے ہیں۔ دس برس حسنؑ کے بعد گذارے جاتے ہیں۔ اور وہی خاموشی کا مسلک قائم رہتا ہے۔ وہ حسینؑ جس نے

اس کے بعد کربلا میں دکھلا دیا کہ اس کے سینہ میں کون سا دل اور پہلو میں کون سا جگر ہے۔ وہ اس تمام طولانی مدت میں ہزاروں ناگوار واقعات کے باوجود یوں خاموش رہتا ہے۔ جیسے اس کے سینہ میں دل اور دل میں حوصلہ پیدا ہی نہیں ہوا۔

کیا کم ہے یہ بات کہ حسنؑ کو زہر دے دیا جائے! کیا کم ہے یہ بات کہ حسنؑ کو روضہ رسولؐ میں دفن نہ ہونے دیا جائے۔ کیا کم ہے یہ کہ حسنؑ کے جنازہ پہ تیر چلائے جائیں۔ مگر حسینؑ ان تمام باتوں پہ خاموش رہیں۔ تلوار نیام سے نہ نکالیں۔ کیا اس سے بڑھ کر جذبات پہ قابو کی کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

لیجئے وہ وقت آگیا کہ یزید طالب بیعت ہوا۔ اب وہی خاموش انسان یہ کہتا ہے۔ کہ بیعت تو میں نہیں کروں گا۔ یہ حسینؑ نہیں کہہ رہے تھے۔ حسینؑ کے خاندانی خصوصیات۔ حسینؑ کی تعلیم و تربیت حسینؑ کا ماحول اور حسینؑ کا ضمیر سب متفق ہو کر آواز دے رہے تھے۔ کہ یزید سے بیعت تو نہ ہوگی کیونکہ اس بیعت سے اسلام فنا ہی ہو جائے گا۔ شریعت اسلام فراموش ہو جائے گی۔ اور آئینِ اسلام میں تبدیلی ہو جائے گی۔

"بیعت نہیں کروں گا" کہا اور وطن چھوڑ دیا۔ مکہ بسایا۔ وہاں ستائے گئے اسے چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے عراق کی طرف چلے فوج آگئی۔ روک لیا کربلا میں اتر پڑے چاہتے ہیں۔ خیمے فرات پر برپا کریں۔ مخالف فوج وہی فوج جسے حسینؑ ابھی پانی پلا چکے تھے۔ وہ حسینؑ کا پانی کے پاس رہنا گوارا نہیں کرتی۔

"ہمیں امیر کا حکم ہے۔ کہ آپ کے خیمے ریتی پہ برپا ہوں۔ اصحاب بگڑتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اس بات پر لڑیں۔ حسینؑ کہتے ہیں نہیں نہیں لڑو نہیں۔ ہم خیمے یہاں سے ہٹائے

لیتے ہیں ریتی پر خیمے برپا کر دو۔ فوجیں آنے لگیں۔ دشمن نے گھیر لیا۔

حسینؑ امن و صلح کی کوشش شروع کرتے ہیں۔ ناواقف لوگ سمجھتے ہوں گے کہ یہ دل کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ آج تک یہی سمجھتے اگر عاشور کا دن نہ آتا۔ اور حسینؑ کربلا کے ذرے ذرے کو اپنی بہادری استقلال اور تحمل کا گواہ نہ بنا دیتے۔

صلح کی گفتگو کامیابی کے قریب پہنچتی ہے۔ مگر ابن زیاد اسے ختم کر دیتا ہے "یا بیعت یا قتل" اور حسینؑ بیعت کو پہلے ہی کہہ چکے تھے۔ کہ نہیں وہ اگر جذبات کی بنا پر فیصلہ ہوتا تو شاید اب خوف کے جذبہ سے بدل جاتا نہیں وہ تو حسینؑ کے ضمیر کا فیصلہ تھا۔ اور دل و دماغ کا سمجھوتا تھا۔ اس میں تبدیلی کی گنجائش نہ تھی۔

اب تو بس ایک ہی صورت ہے قتل حسینؑ ساتھیوں سے کہتے ہیں چلے جاویں اکیلا اس مہم کو سر کر لوں گا۔ ساتھی کہتے ہیں نہیں ہم ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

اچھا تو پھر آؤ عاشور کی صبح اب تو ایک مرنے والے کو انتظار کی ضرورت نہیں مگر وہاں تو فرائض کی تکمیل ہو رہی تھی۔

کہیں دشمن کی جماعت میں کوئی ناواقف نہ ہو۔ کوئی ہدایت کا تشنہ نہ ہو۔ لیجئے حسینؑ نے اتمام حجت بھی کر لی۔ وہ تقریر جس میں اپنی صفائی کے دلائل پیش کیے تھے۔ ہاں ہاں حسینؑ کی تقریر بے اثر نہ تھی۔ حر سمجھا اور حسینؑ کی طرف آ گیا۔

دشمن نے تیروں کی بوچھار کر کے اعلان جنگ بھی کر دیا۔ حسینؑ میدان قربانی میں ہیں۔ مگر اپنی جان کی قربانی تو کوئی بات نہ تھی۔ اپنے سے وابستہ ہر فرد کو خود قربان کر دیا۔

لیکن ابھی جب تک باقی رہا حسینؑ نے جہاد کا ارادہ نہیں کیا معلوم ہوتا ہے

اب بھی نفس کا سکون ختم نہیں ہوا ہے۔ مراحل عمل بھی جو ترتیب کے ساتھ طے ہو رہے ہیں۔ کوئی گھبراہٹ کا اقدام اور بے چینی کا عمل نہیں ہے۔ لیجئے کوئی نہیں رہا وہ جو تئیس برس تک خاموش رہا۔ وہ جو ۹ دن تک صلح کی نرم شرطیں پیش کرتا رہا وہ جو صبح سے اب تک دوستوں اور عزیزوں کو قتل ہوتے دیکھتا رہا۔ اور نیام سے نہ نکالی اب جبکہ کوئی نہیں رہا ہے۔ جبکہ کمر بھی شکستہ ہے۔ آنکھوں کا نور بھی رخصت ہو چکا ہے۔ بیکسی بے بسی تین دن کی پیاس اور صبح سے اسوقت تک کی تمازت آفتاب کو برداشت کیے ہوئے ہیں اب وہ جہاد پر تیار ہوتا ہے وہ خاموشی کے ساتھ اپنے دشمن کے سپرد نہیں کر دیتا کیونکہ یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے اسے حفاظت خود اختیاری کے لئے مدافعانہ جہاد فرض ہے۔ وہ تلوار نیام سے کھینچتا ہے۔

اتنی جنگ کرتا ہے جسے تاریخ نے نمایاں الفاظ میں لکھنا ضروری سمجھا ہے۔ آخر کو قربانی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ حسینؑ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کی عظیم انسانیت آج تک عالم امکان سے کلمہ پڑھوائے بغیر نہیں رہ سکتی یہ تھا وہ مجسمۂ انسانیت جس کی مثال تاریخ دنیا میں ملنا ناممکن ہے

امامیہ مشن پاکستان

کی توسیع رکنیت میں حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کیجئے

(جنرل سکریٹری)

(تعلیمی پریس لاہور)